Rooh-e-Tahqeeq, Vol.04, No.01, Serial No. 11, January – March 2026

Social Reforms and the Epistolary Da’wah Discourses of Mujaddid Alf Thani

اصلاح معاشرہ اور مجدد الف ثانی کے خطی داعیانہ خطابات

Dr. M. Sohail Rafique
Assistant Professor of Islamic Studies
Mukabbir University of Science and Technology, Gujrat
sohail.rafique@mukabbiruniversity.edu.pk

Abstract:
In this document, we try to highlight a historical perspective of Mujaddid Alf Thani’s methodology in Dawah. He adopted many serious strategies to make a possible restoration of Muslims in spiritual and social domain of 16th-17th century Mughal’s India. He covered various strata of society like general public, religious scholars and ruling elite. And contested the dominant and unorthodox impact of Akbar’s reign by enforcing fidelity to Sharia and Sunnah. By harmonizing between legal laws and spiritual practices, he filtered the Muslim community from cultural hybridization and ethical decline.

Keywords:
Mujaddid Alf Thani, Social Reform, Epistolary Literature, Mughal India, Ethical Decline, Sharia.

برصغیر کی اسلامی تاریخ میں مغلیہ خاندان مرکزی اہمیت کا حامل ہے۔ جس نے نہ صرف عالمِ اسلام کی، بلکہ اقوامِ عالم کی تاریخ پر انمٹ نقوش چھوڑے۔ مغلیہ دور کی تہذیب و ثقافت، تمدن، تعمیرات، فلسفہ، تصوف، ادب، عدل و انصاف، جنگ، سیاست، معاشرت، معیشت، اقتصادیات، طب وغیرہ نے زندگی کے ہر پہلو میں حیات نو مہیا کی۔ ماقبل کے تمام اوراق کو پلٹ کر نئی تاریخ لکھی۔ مغلیہ حکمرانوں کی جدت طبع اور فکر و عمل نے نئے خیالات کو پروان چڑھایا۔ اگرچہ مغلوں کی ترقی اور استحکام میں سابقہ سلاطین کی بنیاد تھی۔ تاہم اس بنیاد پر جو حکومت قائم ہوئی وہ سب سے زیادہ مضبوط تھی۔ جس کے زوال کا عرصہ بھی ۱۷۰۷ء سے ۱۸۵۷ء رہا۔

مغل حکومت کی ابتداء ظہیر الدین بابر (۱۵۲۶ء) سے ہوئی۔ اس کا دور عروج جلال الدین محمد اکبر (۱۵۵۲۔۱۶۰۵ء) کا زمانہ تھا۔ اس دور میں فکری و عملی آزادی مسلمانوں کو حاصل تھی۔ اقلیت کو اکثریت پر فتح حاصل تھی۔ ملک و قوم کی فلاح و بہبود کے لیے، مفتوح خود فاتح کے مشیر تھے۔ تاہم یہ تعاون اپنے نتائج و اثرات کے اعتبار سے مفید ثابت نہ ہو سکا۔ اور انھوں نے ہر خاص و عام کو اپنے ذہن اور مزاج کے مطابق ڈھالنا شروع کر دیا۔ غالب اور مغلوب کے درمیان نظریاتی بقاء کے لیے فکری و عملی سعی کا آغاز ہوا۔ اور مجدّد الفِ ثانی (شیخ احمد سرہندی) کی تجدیدی مساعی سامنے آئی۔

ہندو قوم کے منفی اثرات مسلمانوں کے معاشرتی اور سیاسی پہلو میں حد درجہ سرایت کر گئے تھے۔ ہندومت کے فکری اثرات کی غالب جہت تصوف تھی۔ جس کی وجہ سے دو مباحث نے جنم لیا۔ جنھیں ان عنوانات سے تعبیر کیا گیا:

- تصوف اور شریعت
- علمِ باطن اور علمِ ظاہر

- طریقت اور شریعت
- نبوت اور ولایت

جب کہ عملی طور پر اثرات کا تعلق ان تمام مروجہ رسوم اور بعض دیگر معاملات سے ہے جو ہندو معاشرے سے مسلم تہذیب میں داخل ہوئے۔اور جنہوں نے اسلامی معاشرے میں انتشار کی کیفیت پیدا کی۔ ان سماجی، رسمی و ثقافتی اثرات کو درج ذیل مظاہر میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

- مسلمانوں کی طرف سے مناد رکی تعمیر
- (شادی بیاہ و دیگر معاملات میں)ہندووانہ رسوم کا اجراء
- اسلامی شعائر کا انہدام (جزیہ اور گائے کی قربانی کا خاتمہ)
- اخلاقیات کا زوال

مجدد صاحب نے اِس سلسلے میں اصلاح کی جو جدوجہد کی، ذیل میں ہم تفصیل سے اُن کے منہج کا جائزہ لیں گے۔

معاشرے کے تمام طبقات کو مخاطب اصلاح قرار دینے کا منہج

معاشرے کے تمام طبقات سے خطاب

جب مجدد الف ثانیؒ نے اصلاح معاشرہ کے کام کا آغاز کیا تو اس وقت کے ہندوستانی معاشرے کی صورتحال درج ذیل تھی۔

- رسومات وجوگیانہ تصوف عوام کی روح میں سرایت کر چکا تھا۔
- توحید وجودی پر عوام کا یقین پختہ ہو چکا تھا۔اور اس کی ایسی تعبیرات بھی قابل قبول ہو چکی تھیں جو زندیقیت کا شاخسانہ تھیں۔
- اسلامی علوم کا مطالعہ صرف فنی نقطہ نگاہ تک محدود ہو گیا تھا۔
- علماء، فقہی فروعات پر قیل و قال کو علمیت تصور کرتے تھے۔
- اکبر کے دین الٰہی کے اثر سے مغل دربار کے لوگوں میں دین اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بغاوت پیدا ہو رہی تھی۔

ان حالات کے زیرِ اثر مجددؒ نے اصلاح کا کام شروع کیا۔اور اس سلسلے میں جو مساعی پیش کی، اُن کا ماحاصل یہ ہے۔

- کثیر تعداد میں اتباع سنت کو عملی طور پر اپنانے والے پیروکاروں کی تیاری۔
- اسلام کی تبلیغ کے لئے جوش و خروش۔
- کتاب و سنت کی روشنی میں فکر و عمل کی اصلاح۔
- شاہی دربار کے امراء تک رسائی اور ان کی اصلاح و تربیت۔
- شاہی خیالات و فرامین کی اسلام کی طرف رجوع کی سعی۔
- شریعت وطریقت میں تفریق کرنے کے نظریات کی تنقیح و اصلاح۔
- علماء کو از سر نو کتاب و سنت کی طرف رجوع کی دعوت۔[1]

مجددؒ نے اپنے معاصرین میں سے شاید ہی کوئی ایسا معاشرتی رکن یا طبقہ ہو گا جسے مخاطب نہ کیا ہو۔ اور اسے اپنے حلقے میں لا کر حق کی تلقین نہ کی ہو۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنے خطاب کے مخاطب جن طبقات کو قرار دیا ہے۔ ہم انہیں ترتیب سے بیان کرتے ہیں۔

۱۔ اہل خانہ، بچوں اور بھائی سے خطاب	۲۔ خواتین سے خطاب	۳۔ نوجوانوں سے خطاب
۴۔ طبقہ مریدین سے خطاب	۵۔ طبقہ صوفیاء سے خطاب	۶۔ طبقہ علماء سے خطاب
۷۔ طبقہ امراء سے خطاب	۸۔ طبقہ حکمران سے خطاب	۹۔ بادشاہِ وقت سے خطاب

اہل خانہ، بچوں اور بھائی سے خطاب: ایک گھر کی بنیاد بیوی، بچوں، بھائی بہن اور والدین سے بنتی ہے۔ اور ان سے الگ ہو کر زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ایک جگہ رہتے ہوئے خوشی، غمی، بے رخی و ناراضگی کی کیفیت سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔ بعض اوقات ایسے معاملات بھی درپیش ہوتے ہیں کہ جس میں اصلاح کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیوں کہ ایک ساتھ رہتے ہوئے باہم حقوق و فرائض کی ادائیگی کا خیال بھی رکھنا لازمی ہے۔ اس لئے حضرت مجددؒ اکثر اپنے گھر والوں کو، ضرورت کے، مطابق اہل خانہ اور رشتے داروں سے میل جول اور ان کا خیال رکھنے کا کہتے رہتے تھے۔ گھر کی خواتین کو وعظ و نصیحت اور اچھے برے کے درمیان فرق کرنے کے بارے میں بتایا کرتے تھے۔ ایک مکتوب میں اپنے فرزندوں (خواجہ محمد سعیدؒ و خواجہ محمد معصومؒ) کے ذریعے گھر والوں کو نماز و نیکی اور شرعی احکام کی بجا آوری کا شوق دلاتے ہیں۔ پھر اپنے بچوں کے بارے میں بھی فکر مند رہتے ہیں۔ ان کے ضائع ہونے سے بچنے کے لئے دعا کرتے ہیں اور تلقین کرتے ہیں کہ جو علم تم نے حاصل کیا ہے اس پر عمل بھی کرو۔[۲] کھیل کود میں مشغول ہونے سے بچو۔[۳] چوں کہ خود حضرت مجددؒ بھی ہر وقت حصول علم میں مشغول رہتے تھے۔ عین قید و بند کی حالت میں قرآن پاک حفظ کیا تھا،[۴] اپنی اولاد کو بھی یہی حکم دیتے تھے کہ فارغ بیٹھ کر نفسانی لذات میں نہ پڑ جائیں۔ جو نئے نئے معارف لکھے جاتے ہیں انہیں پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کریں۔ وہ ایک کے بعد دوسرا سبق ہیں۔[۵] اور اگر انہیں سمجھنے میں مشکل ہو اور تحقیق کی ضرورت ہو تو میری کتب اور رسالوں میں ان کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔[۶] یہاں تک کہ اپنے بچوں کی خبر گیری قید خانے سے بھی کرتے تھے۔ اور ان کے نام مکاتیب ارسال کرتے رہتے تھے۔ جن کا موضوع اپنے احوال سے باخبر نہ کرنے پر شکایت ہوتی تھی۔[۷] اسی طرح اپنے چھوٹے بھائی میر مودودؒ کے نام بھی مکتوب ملتا ہے جس میں انہیں زندگی کی اہمیت، دنیا کی بے مائیگی، آخرت کی فکر اور اس کے لئے تیاری کی صلاح دی گئی ہے۔[۸]

خواتین کی اصلاح: خواتین کی اصلاح، دور جدید کی طرح دور قدیم کا بھی مسئلہ رہا ہے۔ مجددؒ نے اس سلسلے میں بھی مستقبل کے داعیین و مصلحین کے لئے مساعی کا طریقہ بیان کیا۔ اور یہ بھی بیان کیا کہ کن امورِ اصلیہ کی لازمی درستگی، فروعی و جزوی اصلاح سے آزاد کر دیتی ہے۔

- عقائد کی درستگی، جس میں سب سے پہلے توحید کا اثبات اور شرک کی نفی، جملہ احوال و اقسام کے ساتھ، جو کہ درج ذیل ہیں۔
  - شرک کی رسموں سے انکار جیسے آبلے (سیتلا یا چیچک) کی بیماری میں رسوم کا اختیار کرنا۔

- کفر کے ایام و اوقات کی تعظیم سے انکار جیسے دیوالی اور ہولی وغیرہ۔
- دو (مختلف ادیان) کی تصدیق نہ کرنا۔
- اسلام و کفر کے مجموعی احکام پر عمل کرنا۔
- بیماری و عوارض کے دنوں میں بتوں اور شیطانوں سے مدد طلب کرنا جیسے قربانی کر کے وغیرہ۔

- بغیر کسی ضرورت کے مانگنا اور گدائی کرنا۔
- چوری کرنا۔ جیسے عورتوں کا مردوں (شوہروں) کے مال میں سے ان کی عدم اجازت سے لے لینا کہ یہ امر خیانت کی عادت کو پختہ کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ دوسروں کے مال میں سے بغیر پوچھے لینا معیوب نہیں سمجھتیں۔
- عدم اختلاط (مرد و زن) اور اس کے لوازم میں احتیاط۔
- خواتین کے لئے وجوب پردہ میں شدت۔ یہاں تک کہ مکتوبات کی تیاری و ترتیب میں بھی خاتون کا نام درج نہیں کیا گیا۔ تاکہ بے پردگی کا اظہار نہ ہو اور ہم عصر و مابعد کے لوگ ان کی طرف کسی طرح کی جستجو نہ کریں۔
- ہم جنس پرستی (Homo Sexuality) کی شدت سے ممانعت۔
- عورتوں کا غربت کے باعث بیٹیوں کو قتل نہ کرنا۔
- بہتان اور افتراء کی ممانعت۔
- غیبت اور عیب جوئی سے بچنا۔
- ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑانا۔
- ایک دوسرے کو ناحق ایذاء نہ دینا۔
- برے شگون نہ لینا اور اس میں تاثیر نہ سمجھنا۔
- چھوت چھات کے نظریے سے اجتناب کرنا وغیرہ۔ [۹]

نوجوانوں سے خطاب: نوجوان کسی بھی معاشرے کا صحت مند طبقہ ہوتا ہے۔ جنہیں آنے والے دور کی ذمہ داریوں کو اٹھانا ہے۔ ان کی حیثیت معاشرے کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہے۔ لہذا امجدؒ نے بھی اس طبقے کو بڑے سوچ سمجھ کر مخاطب کیا۔ خصوصاً جب کسی امیر زادے کو مخاطب کرتے جو کسی بڑے اور نامور خاندان سے تعلق رکھتا تو اسے اپنے خاندان کی وراثت یعنی بزرگی کو برقرار رکھنے کا کہتے اور ایسے کام کرنے سے منع فرماتے جن سے اس خاندان کی بزرگی پر حرف آئے۔ ہمیشہ ظاہر کو ظاہر شریعت پر اور باطن کو باطن شریعت کے مطابق کرنے کے لئے کہتے۔ کیوں کہ یہی شریعت کی حقیقت ہے۔ اور اس کے علاوہ سب کچھ بے دینی اور دہریہ پن ہے۔ [۱۰] اسی طرح ایک اور امیر کے بیٹے کے نام مکتوب لکھتے ہوئے، اسے سمجھاتے ہیں کہ اصل کام کا وقت تو جوانی کا ہے۔ کیا پتہ بڑھاپے میں فرصت نہ ملے۔ اور اگر ملے بھی تو معلوم نہیں کہ صحت بھی ہوگی یا نہیں۔ آج فرصت اور صحت کے ساتھ تمام اسباب جمعیت موجود ہیں۔ والدین کی نعمت کے ساتھ، اسبابِ معاش بھی موجود ہیں۔ لہذا عذر کا کوئی موقع نہیں ہے۔ دشمن کے غلبہ کے وقت تھوڑے عمل کا بھی بہت اجر ہوتا ہے۔ اسی پر قیاس کر لو کہ جوانی کے دنوں میں شیطانی غلبہ کے ہوتے ہوئے تھوڑا سا نیک عمل کس درجہ اجر کا باعث ہوگا۔ انسان کی تخلیق کا مقصد کھیل کود، کھانا، پینا اور سونا نہیں ہے۔ بلکہ بندگی کے لوازمات کا ادا کرنا ہے۔ دنیا اور اس کے سب تقاضے، اللہ

تعالیٰ سے دور رکھنے والے ہیں۔ اس طرح وہ تمام علوم جو آخرت میں کام نہ آئیں جیسے نجوم، منطق، فلسفہ، ہندسہ و حساب وغیرہ بے فائدہ علوم ہیں۔ جن سے نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔"[11] آخر میں نوجوانوں کو زندگی کا لائحہ عمل دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے:

- اہلسنت والجماعت کے عقائد کو اپنایا جائے۔
- ائمہ مجتہدین کے اجتہادات کے مطابق شرعی عملی احکامات کو بجالایا جائے۔
- صوفیا کرام کے سلوک کے مطابق تصفیہ وتزکیہ حاصل کیا جائے۔"[12]
- فضول مباح چیزوں سے گریز کریں۔ مباح چیزوں کا استعمال بقدر ضرورت، عبادت کرنے کے لئے، قوت کے حصول کی نیت سے ہونا چاہیے۔
- عبادت دل و جان سے احسان مند ہو کر ادا کرنی چاہیے۔ اوامر کے ادا کرنے اور نواہی سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔
- اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ باتوں سے از سر نو سچی توبہ کی جائے۔
- پانچ وقت نماز ادا کی جائے۔
- مال کی زکوٰۃ بھی ضرور ادا کی جائے۔
- شرعی احکام کے بارے میں علماء آخرت کی طرف رجوع کیا جائے ان کی بات میں تاثیر ہے، شاید ان کے وجود کی برکت سے اس کے عمل کی توفیق حاصل ہو جائے۔
- اگر متقی علماء نہ ملیں تو بقدر ضرورت علماء دنیا کی طرف رجوع کیا جائے۔"[13]

طبقہ مریدین سے خطاب: مرشد و مرید کا تعلق ایسے ہی ہے جیسا کہ استاد اور شاگرد کا۔ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ مرید اور شاگرد اپنے استاد کا عکس ہوتے ہیں۔ اور ان ہی کی ذات سے مرشد و استاد کی محنت و قابلیت خارج میں اپنا اظہار کرتی ہے۔ یہ مرید اپنے مرشد کے لئے ذرائع ابلاغ کا کام کرتے ہیں۔ اور ان کی تعلیمات کے مطابق معاشرے کو ڈھالتے ہیں۔ اور اپنے پیر بزرگوار و مرشد کی سوچ کو لے کر معاشرے میں نفوذ کر جاتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود مریدین کی نفسیات کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے۔ تمام مریدین ایک ہی ذہنیت اور قابلیت و استعداد کے حامل نہیں ہوتے۔ بعض ایام جوانی میں ہی راہِ حق کی تلاش میں نکلتے ہیں اور بعض عمر کے آخری حصے میں۔ کچھ مریدین اپنے دنیاوی معاملات سے متاثر ہو کر راہ سلوک میں قدم رکھتے ہیں اور بعض دنیا سے متاثر ہو کر دنیا کی طلب میں لگ جاتے ہیں۔ یہی کچھ صورتحال مجددؒ کے مریدین کو بھی درپیش تھیں۔ جن کی اصلاح کی جانب مکتوبات میں مختلف طریقوں سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

ایک مکتوب میں اس راہ سلوک میں قدم رکھنے والوں کو ادب کی تلقین کرتے ہوئے ایک مرید سے کہتے ہیں کہ مرید پر لازم ہے کہ سب سے پہلے بزرگان دین کا ادب ملحوظ رکھے۔ اس راہ میں محبت واجب ہے۔ کیوں کہ کام کا دارو مدار راسی پر ہے۔"[14] پھر وہ لوگ جو اپنے آپ کو دنیا کی طلب میں مشغول رکھتے ہیں اور خود کو بارگاہ الہیٰ سے دور رکھتے ہیں کو تنبیہ فرماتے ہیں کہ ان سب کا حال خراب اور ابتر ہے۔ وہ لوگ جو راہ سلوک میں ارادہ کر کے آتے ہیں، ان کو چاہئے کہ مرنے والوں کی موت سے عبرت حاصل کریں اور اپنے آپ کو پوری طرح اللہ تعالیٰ کی رضا کے سپرد کر دیں۔ دنیا کی زندگی کو دھوکے کی زندگی سے زیادہ کچھ اہمیت نہ دیں۔[15] مجددؒ اس شخص کو جس نے ایمان و نیکی کے ساتھ اپنے سیاہ بال سفید کئے

ہوں کو نعمت الٰہی قرار دیتے ہیں۔ اور اس عمر رسیدہ مرید کو اللہ تعالیٰ سے امید رکھنے کی تلقین کرتے ہیں۔ کیوں کہ جوانی میں خوف الٰہی کی ضرورت ہوتی ہے اور بڑھاپے میں امید اور معرفت کے گمان کی۔[۱۶]

طبقہ صوفیاء سے خطاب:

مجددؒ کے دور میں علم تصوف اور صوفیاء کا غلبہ تھا۔ اور اس دور کے معاشرے کی خرابیوں کا ایک سبب بھی یہی تھے۔ صوفیاء (علماء باطن) اور علماء شریعت (علماء ظاہر) کے درمیان سب سے بڑا مابہ النزاع ظاہر و باطن کے درمیان تعلق کی نسبت کو متعین کرتا تھا۔ اور ان سے مقصود کیا ہے کو بیان کرنا تھا۔ مجددؒ اس بارے میں ایک واضح موقف رکھتے تھے۔ ان کے مطابق شریعت اور حقیقت دراصل ایک ہی شے کے دو مختلف پہلو ہیں۔ جو ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں بلکہ انہوں نے اپنے چہرے کے رخ کو بدلہ ہوا ہے۔ ان دونوں میں اگر فرق ہے تو وہ صرف اجمال و تفصیل، کشف و استدلال، غیبت و شہادت اور تحمل و عدم تحمل کا ہے۔ جو احکام و علوم شریعت نے بتائے ہیں، صوفیاء انہیں حق الیقین کی حقیقت ثابت ہونے کے بعد تفصیلی طور پر جان لیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے شریعت کے احکام و علوم کے اسرار غیوبت سے شہادت یعنی ظاہر میں نظر آنے لگتے ہیں۔ اور وہ تمام شرعی افعال جو پہلے کسب اور عمل کی تکلیف سے سرزد ہوتے تھے اب عدم مشقت سے انجام پذیر ہوتے ہیں۔ صوفیاء کے کامل ہونے کی نشانی صرف یہ ہے کہ ان کے علوم و معارف، شریعت کے علوم و معارف کے سانچہ میں ڈھل جائیں۔ جب تک موافقت و مطابقت نہیں ہے صوفیاء کے علوم و معارف نامکمل ہیں۔ مجمل کو مفصل کے ساتھ وہی نسبت ہے جو مغز کو کھال کے ساتھ اور استدلال کو کشف کے مقابلہ میں بھی مغز اور کھال کی طرح یہی نسبت ہے۔[۱۷] اسی طرح ایک اور مسئلہ علم ظاہر و باطن کے درمیان سکرؔ پر صحوؔ کو ترجیح دینے کے بارے میں ہے۔ سکرؔ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ مستی، بے خبری اور بے تمیزی ہے۔ جس میں سالک حواس اور احساس سے غائب ہو جاتا ہے اور سالک کا شعور زائل ہو جاتا ہے۔ جبکہ صحوؔ کے بارے میں ہے کہ یہ ہوش، باخبری اور ہوشیاری کا نام ہے۔[۱۸] مجددؒ صحوؔ کے قائل ہیں اور اہل سکرؔ کو معذور سمجھتے ہیں۔ اور دلیل اس کی یہ دیتے ہیں کہ جو کچھ احکام سکرؔ سے ہیں وہ مقام ولایت سے ہیں اور جو کچھ صحوؔ سے ہے، وہ مقام نبوت سے ہے۔ جو سالک آنحضرت ﷺ کی کامل پیروی کرتا ہے اسے بھی اتباع کی بدولت صحوؔ کے طور پر اس مقام سے حصہ حاصل ہوتا ہے۔ اسی لئے صحوؔ کو سکرؔ پر ترجیح حاصل ہے۔ چوں کہ شرعی علوم مقام نبوت سے صادر ہوتے ہیں اس لئے وہ صحوؔ ہیں۔ اس کے برعکس جو کچھ ہے وہ سکر ہے۔ اسی لئے صاحب سکرؔ معذور ہے۔ اور اسی وجہ سے قابل تقلید علوم صرف صحوؔ کے ہیں، سکر کے نہیں ہیں۔[۱۹] علماء نے علوم کی بنیاد آپ ﷺ پر رکھی ہے۔ جس کی تائید قطعی بدیہی ذریعہ علم وحی سے ہوتی ہے۔ جب کہ صوفیاء کے کشف و الہام میں خطا کا ابہام ہوتا ہے۔ اسی لئے وہ تمام مکشوفات و الہامات جن کی تائید علوم شریعت سے ہو انہیں قبول کیا جاتا ہے اور اس کے برعکس کو رد کر دیا جاتا ہے۔[۲۰] پھر ایک مسئلہ جس کا تعلق جدید معاشرتی ڈھانچے سے ہے کہ

کیا صاحب کرامت ولی اور صاحب استدراج کی تاثیرات تو گویا ایک جیسی ہیں لہٰذا کیسے انہیں پہچانا جائے؟

حضرت مجددؒ نے بہت آسان طریقہ فرد کے لئے یہ بیان کیا ہے کہ ان کے درمیان فرق کرنے کی واضح دلیل فرد کا اپنا صحیح وجدان ہے۔ اگر وہ اپنے دل میں اس کی صحبت میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہوا پاتا ہے تو وہ ولی صاحب کرامت ہے وگرنہ وہ مدعی صاحب استدراج ہے۔[۲۱]

طبقہ علماء سے خطاب:

مجددؒ کے دور میں ہندوستان میں جو بڑی بے راہ روی پیدا ہوئی ان کی ایک وجہ علماء کی عدم توجہی تھی۔ علماء، ہویٰ نفس کی خاطر پر کشش توجیہات سے امراء و حکمرانوں کو خوش کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے معاشرتی نظم و ضبط میں بگاڑ پیدا ہوا۔ اور اسلامی حکومت اور معاشرہ غیر اسلامی روش کی طرف چلنے لگا۔ مجددؒ نے اسی طبقے پر بڑی شدت سے چوٹ کی۔ اور انہیں اپنے مقام و مرتبہ اور منصب کی اہمیت، ذمہ داریوں اور فرائض کا احساس دلایا۔ مکتوبات کی کثیر تعداد میں علماء ظاہر کو متبوع اور علماء باطن کو تابع قرار دیا ہے۔ اس سے مقصود جہاں علماء کی صوفیاء پر برتری ظاہر ہوتی ہے۔ ادھر علماء کی اہمیت اور ذمہ داری بھی واضح ہوتی ہے۔ علماء جو انبیاء کے اصل وارث ہیں پر اس طرح دوہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ایک طرف تو وہ علوم نبوت کے محافظ ہیں تو دوسری طرف وہ ان علوم کی ہر زمانے کے تقاضے کے مطابق تشریح و تعبیر کے بھی ذمہ دار ہیں۔ اور اس ثانی الذکر فرض، کو ادا کرنے کے لئے خلوص نیت اور دین کے اصل جوہر کی حفاظت بھی علماء ہی پر منحصر ہے۔ مجددؒ نے اسی اہمیت کے پیش نظر اتنی سعی کی کہ علماء ظاہر کو بھی از سر نو کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ اس سے پہلے علم دین کے معنی صرف علم فقہ کے رہ گئے تھے۔[22] آپ نے بہت سے علماء کو خطوط لکھ کر ان کی تعلیم و تربیت فرمائی اور ان کے خیالات کو درست کیا۔ ان کے سامنے اسلامی زندگی کا اصلی اور اعلیٰ نصب العین رکھا۔ اور دوسری طرف ان کے ذریعے حکومت اور معاشرے کو درست سمت دکھائی۔ حکومت کی اصلاح تو درباری امراء و ارکان دیگر کی موجودگی کی وجہ سے ہوئی۔ پھر جب حکومتی اصلاح ہو گئی تو علماء ہویٰ و نفس کا زور بھی کمزور ہو گیا۔ ان علماء نے دو راستوں سے اسلامی معاشرے کو گھائل کرنا شروع کیا تھا۔

- قرآن و سنت و نصوص شرعیہ کی نئی تعبیرات و توجیہات
- بدعت حسنہ کے نام سے نئے رسوم کا اجراء

ہویٰ و نفس پر مبنی توجیہات کا توحل مجددؒ نے یہ دیا ہے کہ اپنے عقائد کی درستگی اسلاف کے طریقے پر کریں۔ کیوں کے جس طرح انہوں نے قرآن و سنت سے سمجھا ہے ہمارا ذہن اگر اسی طرح سیکھے تو درست و گرنہ اسلاف اہل سنت و الجماعت کی پیروی کی جائے۔ کیوں کہ ہر کوئی اپنی فکر کی بنیاد قرآن و سنت سے اخذ کرتا ہے۔[23] اس کی مثال ہم ایک مکتوب سے پیش کرتے ہیں۔ مجددؒ کے دور میں لاہور کے قاضیوں نے احتیاج کو پیش نظر رکھ کر رباء (سود) (Usury) کو حلال قرار دے دیا۔ مجددؒ نے اس مسئلہ پر رد کرتے ہوئے جو ناقدانہ جائزہ لیا ہے۔ اس کے مطابق اس طرح سے تو احتیاج کا دامن بہت وسیع ہے۔ اگر اسی کو اصل ٹھہرا کر رباء کو حلال قرار دیا جانے لگے گا تو رباء کے بارے میں قطعی نص کا حکم بے فائدہ قرار پائے گا۔ حالاں کہ رباء کی حرمت کا حکم احتیاج و غیر احتیاج دونوں کے لئے ہے۔ اگر اس حکم کی حلت کے لئے احتیاج کو خاص کیا جائے تو یہ قطعی حکم کو منسوخ کرنا ہے۔ اور اگر بفرض محال احتیاج کے حکم کو تسلیم کیا جائے تو پھر اس استثنائی صورت کو اضطرار اور مخمصہ سے تعبیر کرنا ہو گا۔ اس لئے احتیاج کو علت بنا کر سود پر قرض لینا، دین سے دوری کی علامت ہے۔ ایسے تمام روزگار کے ذرائع سے کنارہ کشی اختیار کرنی چاہیے جن سے احتیاج جیسی صورت حال پیدا ہو۔ اور لوگوں کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے طریقے سے آگاہ کرنا چاہیے کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے اور یہ ایک ممنوع عمل ہے۔[24] اسی طرح ایک اور مسئلہ جو علماء ظاہر کے ہاں پیدا ہو گیا تھا، بدعت سے متعلق ہے۔ علماء نے اسے دو اقسام میں ظاہر کیا ہے۔ حسنہ

وسئیہ۔ مجددؒ نے ان دونوں کو گمراہی اور سنت کو مٹانے والا قرار دیا ہے۔ بلکہ یہاں تک کہ فرض کو مٹانے والا قرار دیا ہے۔ لیکن یہاں ایک نکتہ کی وضاحت ضروری ہے کہ مجددؒ نے خود ہی اس کی وضاحت بھی کر دی ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ قیاس اور اجتہاد کی حیثیت بھی تو ایک بدعت ہی کی ہے۔ مجددؒ نے اس کا جواب از خود یہ کہہ کر دیا ہے کہ یہ کوئی بدعت نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ نصوص کے معانی کو ظاہر کرتے ہیں۔ اپنے پاس سے کسی زائد امر کو ثابت نہیں کرتے۔[۲۵]

طبقہ امراء سے خطاب: اکبریؔ عہد میں حکومتی سطح پر اور ہندوستانی اسلامی معاشرے میں انتشار کی ایک بڑی وجہ امراء کا طبقہ بھی تھا۔ جنہیں یا تو حالات نے اور یا سیاسی مفاد کے ایک غلط تصور نے اسلامی فکر و عمل سے دور کر دیا تھا۔ اس غلط تصور نے ان امراء کو یا تو لادینیت سے قریب کر دیا تھا یا ہندومت سے۔ مجددؒ نے اپنی طرف سے کوشش کر کے ان امراء کے دلوں میں اپنی محبت اور عقیدت کو بٹھایا۔ جس سے یہ ہوا کہ وہ لوگ جو حکومتی معاملات میں عمل دخل رکھتے تھے، مجبور ہوئے کہ وہ اسلامی اصولوں کے مطابق ہندوستانی سیاست کا رخ متعین کریں ایک خط میں درباری امیرؔ سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں تو ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ کے لئے غائبانہ دعا گو ہوں۔[۲۶] تاکہ دونوں باہم محبت و ہمدردی کے جذبات سے آگاہ ہوں۔ ہندوستان میں اسلام پر ضعف کی ذمہ داری حکومت وقت پر تھی۔ اسی لئے حکومتی اراکین کو اپنا مکتوب الیہ بنایا۔ اور جن امور پر ان سے خطاب کیا وہ درج ذیل ہیں:

- اہل اسلام کمزور ہیں۔
- اسلامی غیرت اور حمیت چاہیے۔
- مسلمانوں کی عظمت، معاصرین میں بحال کرنی چاہیے۔
- اہل کفر کے رواج کو ختم کرنا چاہیے۔
- علمی اور عملی طور پر اسلام اور اہل اسلام سے وابستگی چاہیے۔
- اسلامی شہر میں اسلامی احکام نافذ ہونے چاہئیں۔
- اسلامی شعائر کا اجراء ہر صورت ہونا چاہیے۔[۲۷]
- ظاہری و خفیہ طور پر اسلام کے استحکام کے لئے کام کرنا چاہیے۔
- وہ تمام افراد جو اکبریؔ احکامات کے خلاف متحد تھے ان کو اکٹھے مل کر بیٹھنا چاہیے۔ تاکہ متفقہ امور طے پا جائیں۔
- اسلامی ارکان کو قائم کرنا چاہیے۔[۲۸]
- اسلامی شہروں میں قاضی مقرر ہوں۔
- بادشاہوں کے مقربین اسلام کے حوالے سے اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں۔[۲۹]

طبقہ حکمران سے خطاب: ہم یہ معلوم کر چکے ہیں کہ جن مکتوب الیہ کے نام مجددؒ نے اسلام کے ضعف، احکام و شعائر اسلام کی بے حرمتی اور مسلمانوں کی بے بسی پر خطوط لکھے ہیں۔ ان کو اپنے قرب و اعتماد میں لیتے ہوئے ان سے اپنے عہدے اور منصب کو کام میں لانے کے لئے تجویز کیا ہے۔ ان سب کے علاوہ ایک اور عظیم کام حکمران طبقہ کی عصبیت کو یاد دلانے اور خاندانی و نسلی اسلامیت کو زندہ کر کے عمل میں لانے کا تھا۔ تاکہ وہ عصبیت جو بحیثیت مسلمان ایک حاکم جماعت میں اسلام کے حوالے سے ہونی چاہیے وہ قوت سے فعل میں آسکے۔ اس سلسلے میں ایک مجددؒ کی جو حکمت عملی ہونی چاہیے تھی وہ

اصلاح وتربیت کے علاوہ نہیں ہو سکتی تھی۔ مجددؒ کے اس اصلاح وتربیت کے منہج کے اہم نکات درج ذیل ہیں۔

- حکام کے مزاج کے مطابق سلوک وتصوف کے نکات کی وضاحت۔
- دنیا کی طرف سے بے رغبتی اختیار کرنی چاہیے۔
- مقصود دنیا، آخرت کی نعمتوں سے متمتع ہونے کی تیاری کرنا ہے۔
- ظاہری منصب وعہدے میں ترقی کے ساتھ، باطنی ترقی کا حصول۔[30]

پھر اسی طرح ان حکمرانوں کو ان کے منصب وعہدے کے مطابق مخاطب کیا گیا۔ ان میں سے کچھ قضاۃ کے نام مکتوب ہیں اور کچھ فوجی کمان دار اور درباریوں کے نام ہیں۔ ایک علاقے کے قاضیوں کے نام مکتوب، جس میں دنیا سے بے رغبتی اختیار کرنے کے بارے میں بڑے پر تاثیر انداز میں تحریر کیا گیا ہے۔ اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ عدل کرنا بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ اور اگر قضاۃ یہ ذمہ داری ادا نہیں کریں گے تو معاشرے کا توازن بگڑ جائے گا۔ دنیاوی مال واسباب کی ذخیرہ اندوزی اور پھر اس پر دوامیت کا اعتبار کرنا، بے عقلی ہے۔ یہ دنیا نہ تو ہمیشہ رہنے والی ہے اور نہ ہی ہمیں دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لئے لایا گیا ہے۔ اصل مقصد تو اس دنیا میں کام کرنا ہے۔ اور وہ بھی شریعت کے اصول وضوابط کے مطابق اگر آدمی اس دنیا سے کام کرتا ہوا گیا تو اس کے لئے کوئی خوف نہیں ہے۔ بلکہ وہ تو بادشاہ ہے۔[31] اسی طرح جب ایک میراث سے متعلق سوال کے جواب میں، جس میں اگر فوت شدت آدمی کا کوئی وصی نہ ہو تو اس کے مال میں تصرف کیسے کیا جائے؟ حکام کے پاس ایک درخواست بھیجی گئی کہ اس علاقے میں ایک شرعی قاضی کی ضرورت ہے تاکہ اس طرح کے معاملات میں آسانی پیدا ہو سکے۔[32] کسی بھی تمدن کے عناصر یا اجزائے ترکیبی میں مذہب، تعلیم، نظم حکومت وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ اگر صرف مادی فوائد ہی کو سامنے رکھ کر تمدنی عناصر پر بحث کی جائے تو تمدن کا سب سے بڑا عنصر نظام فوج ہے۔ جس کے ذریعے سے انسان دوسروں پر برتری حاصل کرتا ہے۔ اور اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ہندوؤں کو مغلوں کے سامنے کم تر تسلیم کرنا پڑے گا۔ کیوں کہ کوئی بھی قوم اپنے دور عروج میں اخلاقی اور فوجی طاقت رکھتی ہے۔ اور یہ دونوں طاقتیں تعیش کی زندگی کے باعث کمزور پڑ جاتی ہیں۔ چناں چہ قوم کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ چوں کہ اجتماعی حیثیت سے ان کی قدر وقیمت سب سے زیادہ ہوتی ہے۔[33] اسی لئے ہم مجددؒ کے مکتوبات میں فوجی کمان داروں کے نام مکتوبات میں اخلاقی طاقت کے حصول کے لئے کوشش کو سرفہرست پاتے ہیں۔ یہ اخلاقی قوت، شریعت کے ظاہر پر عمل کرنے سے اور باطن کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ رکھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ کیوں کہ اس دور میں باطل صوفیاء کی وجہ سے تصوف کی حقیقت کے بارے میں معلوم نہ ہو سکتا تھا۔ اسی لئے ظاہر شریعت یعنی علم پر عمل کرنے اور اس پر استقامت حاصل کرنے کو ہی بڑا کام قرار دیا گیا۔[34] نجات کا دارو مدار علم، عمل اور اخلاص پر ہے۔ پھر علم سے بھی مقصود اگر ایک طرف عمل ہے جس کا ذمہ دار فقہ ہے تو دوسری طرف وہ یقین اور اطمینان قلبی ہے جس کی تفصیل علم کلام سے حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ علم کلام جس کو ائمہ اہلسنت و الجماعت کی پیروی سے حاصل کیا گیا ہو۔ جبکہ اعمال، ایمان سے بنتے ہیں۔ ایمان کی تکمیل سے اعمال کا کمال حاصل ہوتا ہے۔ غرض علم وعمل شریعت سے حاصل ہوتے ہیں اور اخلاص، علم وعمل کی روح جیسا ہے کا حصول، صوفیہ کی پیروی سے ہے۔ جس کا نتیجہ تمام اقوال وافعال اور حرکات وسکنات میں بغیر تعمل وتکلف کے اخلاص کا حاصل ہونا ہے اور یہ اخلاص آفاقی اور انفسی معبودوں کی فنا پر منحصر ہے۔[35] ہندوستان کا اسلامی تمدن چند اساسی اصولوں سے پیدا ہوا تھا۔ ان ہی اصولوں کے ساتھ

وہ قائم دائم رہا ہے۔ اور ان ہی کے بدلنے سے بدل بھی گیا ہے۔ یہ اساسی اصول، مذہبی اور سیاسی امراء کی سیادت، ہے۔ لوگ چوں کہ مقلد ہوتے ہیں۔ اسی لئے ہر قوم اور ہر زمانے کے بیش تر افراد میں ایک ہی قسم کے خیالات و افکار، مشترک طور پر پائے جاتے ہیں۔ جن سے لازمی طور پر ایک ہی جیسا نتیجہ نکالتا ہے۔[۳۶] اسی لئے برصغیر میں کوئی بھی مسلمان حکمران اس قدیم طریقے کو چھوڑ نہیں سکتا۔ کیوں کہ یہ دونوں اصول اعتقاد میں حکمران طبقے سے زیادہ طاقت رکھتے ہیں۔ اور اسی لئے حکمرانوں کی درست سمت متعین کرنے کے لئے ان ہی دو اصولوں سے مدد لی جاتی تھی۔ مجددؒ نے بھی اکبریؔ الحاد و معاشرتی بگاڑ کی درستگی اور اصلاح کے لئے جہاں مذہبی رہنماؤں کی اصلاح کی، ساتھ ہی درباریوں تک اپنی رسائی کی۔ جن کی مدد سے حکومت کا مزاج بدلا گیا۔ تھوڑے سے نیک عمل کو وزنی قرار دیا۔ اسلامی جنون کا تقاضا کیا۔ مسلمان کی عظمت کو عیاں کرنے کی تجویز دی۔[۳۷] آخرت کی طلب، دنیا کے ترک پر مبنی ہے۔ لیکن دنیا میں رہتے ہوئے حقیقی ترک حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حکما ترک کرنا چاہیے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ دنیاوی امور میں روشن شریعت کے مطابق عمل ہو۔ شرعی حدود کا خیال رکھا جائے اور ان سے تجاوز نہ کیا جائے۔[۳۸] اسی طرح درباریوں میں یہ حوصلہ پیدا کیا کہ اگر آگے بڑھ کر کوئی دوسرا، حکومت وقت کی بہتری کی طرف توجہ نہیں کرتا تو خود شہباز بن کر حکومت وقت کی اصلاح کرنے کے شرف کو حاصل کیا جائے۔[۳۹] اسی صحوؔ اور سکرؔ سے متعلقہ اشکلات میں سے ایک اشکال (نور باطن کے ذریعے سے) ولایت کا نبوت سے افضل ہونا بھی ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں نبی کی ولایت، نبی کی نبوت سے افضل ہے۔ مجددؒ ایک مکتوب بنام میاں سید بجواڑیؔ میں اس کی تردید بڑی شدت سے کرتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ ولایت میں سینہ تنگ ہوتا ہے۔ اس لئے خلقت کی جانب توجہ نہیں ہو پاتی۔ جب کہ نبوت میں شرح صدر کی وجہ سے خالق اور مخلوق کی جانب ایک ہی وقت میں توجہ کرنا مشکل نہیں ہوتا۔ اول الذکر کی طرف توجہ محض کرنا، نادان لوگوں کا کام ہے۔[۴۰]

بادشاہ وقت سے خطاب:

حضرت مجددؔ کی تعلیمات سے ہمیں یہ بھی سبق ملتا ہے ک بادشاہ وقت کی اصلاح و تربیت کا کیا منہج ہونا چاہئے؟ مکتوبات میں صرف ایک مکتوب جہانگیرؔ کے نام ملتا ہے۔ جس سے درج ذیل اصول دعوت و اصلاح ملتے ہیں:

- ایک طرف تو یہ واضح ہوتا ہے کہ حکومت مخالف رویہ سامنے نہیں آرہا۔
- دوسری طرف یہ بھی حضرت مجدد کی ترجیحات میں شامل ہے کہ مطلق العنان بادشاہ کہیں تربیت اور صحیح اسلامی نکتہ نظر سے متنفر نہ ہو جائے۔
- تیسرا یہ کہ حکمران وقت کے فیصلوں سے عوام الناس پر کہیں منفی اثر نہ ہو۔ اور وہ ظلم کا شکار نہ ہو جائیں۔
- چہارم یہ کہ حکومت مخالف رد عمل کی حوصلہ شکنی کی جائے اور حاکم وقت کی تائید کی جائے۔
- پانچواں یہ کہ اپنی حیثیت کو ہمیشہ حکومت کے سامنے کم تر اور اپنی ذمہ داری کو اپنے مرتبہ اور قوت تک محدود رکھنا ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مجدد نے جہانگیرؔ کے نام خط میں خود کو خوار، زار اور بے اعتبار قرار دے کر حکومت وقت کے سامنے اپنی کمزوری اور مقابل کی قوت و اقتدار کو ثابت کیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی واضح کیا ہے کہ محض

ظاہری اسباب کی بناء پر فتح حاصل نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کے ساتھ فتح و نصرت کی دوسری قسم جس کا تعلق مسبب الاسباب سے ہے کی بھی ضرورت رہتی ہے، جسے دعا کہا گیا ہے۔ اور اس کی حیثیت جسم کے مقابلے میں روح قرار دی گئی ہے۔[۲۱]

حاصل کلام:

اس مضمون کا مقصد قارئین کے سامنے اپنے اسلاف کے اصلاحی اور دعوتی منہج کو سامنے لانا ہے۔ تاکہ مستقبل اور عصر حاضر کی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے اسلاف کے علمی نکات سے بہرہ مند ہوا جا سکے۔ حضرت مجددؒ نے شرعی دلائل کو مخاطب کی ذہنی سطح اور دنیاوی مقام و مرتبہ کے مطابق عقلی اور حسّی بنایا ہے۔ تاکہ ان علمی نکات و دلائل سے اسلامی معاشرے کے ہر طبقے کی اسلام اور علوم اسلامیہ سے گہرے روابط قائم ہو سکیں۔

☆☆☆☆☆

حوالے

۱۔ فاروقی، برہان احمد، اقبال اور مجدد الف ثانی مشمولہ در باقیات برہان (مرتبہ: عبدالجبار قمر)، مکتبہ تعمیر انسانیت، اردو بازار، لاہور، ط: اول ۲۰۲۲ء، ص: ۱۸۱-۱۸۵۔

۲۔ سرہندی، شیخ احمد (مجدد الف ثانی)، مکتوبات امام ربانی (اردو ترجمہ از ڈاکٹر محمد نذیر رانجھا)، دار الکتاب، لاہور، ط: اول؛ ۲۰۱۵ء، ج: ۳، م: ۸۵، ص: ۴۳۲-۴۳۳۔

۳۔ ایضاً، ج: ۱، م: ۲۰۸، ص: ۳۰۰۔

۴۔ ایضاً، ج: ۱، م: ۴۳، ص: ۳۵۶۔

۵۔ ایضاً، ج: ۳، م: ۸۵، ص: ۴۳۲۔

۶۔ ایضاً، ج: ۲، م: ۹۸، ص: ۲۴۷۔

۷۔ ایضاً، ج: ۳، م: ۱۰۴، ص: ۴۸۹۔

۸۔ ایضاً، ج: ۱، م: ۲۲۶، ص: ۳۴۱۔

۹۔ ایضاً، ج: ۳، م: ۴۱، ص: ۳۴۷۔۳۵۴۔

۱۰۔ ایضاً، ج: ۱، م: ۵۷، ص: ۱۳۰۔

۱۱۔ ایضاً، ج: ۱، م: ۳۷، ص: ۱۵۱۔۱۵۳۔

۱۲۔ ایضاً، ج: ۱، م: ۱۷، ص: ۱۴۹۔

۱۳۔ ایضاً، ج: ۱، م: ۳۷، ص: ۱۵۲، ۱۵۳-۱۵۴۔

۱۴۔ ایضاً، ج: ۱، م: ۹۰، ص: ۱۷۶۔

۱۵۔ ایضاً، ج: ۱، م: ۸۹، ص: ۱۷۵۔

۱۶۔ ایضاً، ج: ۱، م: ۸۸، ص: ۱۷۴۔

۱۷۔ ایضاً، ج: ۱، م: ۸۴، ص: ۱۷۱-۱۷۲۔

۱۸۔ مجددی، محمد سعید احمد، البیانات شرح مکتوباتِ امام ربانی، تنظیم الاسلام پبلی کیشنز، گوجرانوالہ، ط: سوئم: ۲۰۱۶ء، جلد: ۴، ص: ۱۸۱۔

۱۹۔ مکتوبات امام ربانی، ج: ۱، م: ۹۵، ص: ۱۷۹-۱۸۰۔

۲۰۔ ایضاً، ج: ۱، م: ۱۱۲، ص: ۲۰۵۔

۲۱۔ ایضاً، ج: ۱، م: ۱۰۷، ص: ۱۹۹-۲۰۰۔

۲۲۔ اقبال اور مجدد الف ثانی مشمولہ در باقیات برہان، ص:۱۸۵

۲۳۔ مکتوبات امام ربانی، ج:۱، م:۱۵۷، ص:۲۳۸۔

۲۴۔ ایضاً، ج:۱، م:۱۰۲، ص:۱۹۳۔۱۹۴۔

۲۵۔ ایضاً، ج:۱، م:۱۸۶، ص:۲۷۲-۲۷۴۔

۲۶۔ ایضاً، ج:۱، م:۵۵، ص:۱۲۹۔

۲۷۔ ایضاً، ج:۱، م:۶۵، ص:۱۴۲-۱۴۳۔

۲۸۔ ایضاً، ج:۱، م:۱۹۴، ص:۲۸۳۔

۲۹۔ ایضاً، ج:۱، م:۱۹۵، ص:۲۸۴۔

۳۰۔ تاریخ دعوت وعزیمت، ج:۴، ص:۳۱۵۔۳۱۶۔

۳۱۔ مکتوبات امام ربانی، ج:۱، م:۱۰۴، ص:۱۹۵۔

۳۲۔ ایضاً، ج:۱، م: ۱۰۳، ص:۱۹۵۔

۳۳۔ بان، گستاولی، فلسفہ عروج وزوال اقوام (اردو ترجمہ از عبد السلام ندوی)، بک کارنر، جہلم، ۲۰۲۰ء ص:۸۹ – ۹۰۔

۳۴۔ مکتوبات امام ربانی، ج:۱، م:۸۳، ص:۱۷۱۔

۳۵۔ ایضاً، ج:۱، م:۵۹، ص:۱۳۲- ۱۳۴۔

۳۶۔ فلسفہ عروج وزوال اقوام، ص:۱۴۸– ۱۵۶۔

۳۷۔ مکتوبات امام ربانی، ج:۱، م۶۵، ص:۱۴۲۔۱۴۳۔

۳۸۔ ایضاً، ج:۱، م:۲۷، ص:۱۵۰۔

۳۹۔ ایضاً، ج:۱، م:۸۱، ص:۱۷۰۔

۴۰۔ ایضاً، ج:۱، م:۱۰۸، ص:۲۰۲۔

۴۲۔ ایضاً، ج:۳، م:۷۴، ص:۳۶۲-۳۶۴۔